العصر اسلامک ریسرچ جرنل
AL-ASR Islamic Research Journal
Publisher: Al-Asr Research Centre, Punjab Pakistan
E-ISSN 2708-2566 P-ISSN2708-8786
Vol.02, Issue 04 (October-December) 2022
HEC Category "Y"
https://alasr.com.pk/ojs3308/index.php/alasar/index

Title Detail

Urdu/Arabic: اسلام اور مغرب: فوبیا کی سیاست
English: **Islam and West: The Politics of Phobia**

Author Detail

1. Dr. Zuha Qaisar
Visiting Faculty Member BZU, Multan, Postdoctoral Fellow IR
Email: zuhaqaisarbzu@gmail.com
2. Dr. Waleed Khan
Lecturer GC Women University Sialkot
Email: waleed.khan@gcwus.edu.pk
3. Dr. Abdul Haseeb
Punjab Tianjin University of Technology Lahore
Email: dr.haseeb@ptut.edu.pk

How to cite:
Dr. Zuha Qaisar, Dr. Waleed Khan, and Dr. Abdul Haseeb. 2022. " اسلام اور مغرب: فوبیا کی سیاست: Islam and West: The Politics of Phobia". AL-ASAR Islamic Research Journal 2 (4). https://alasr.com.pk/ojs3308/index.php/alasar/article/view/65.

Copyright Notice:
This work is licensed under a Creative Commons Attribution 3.0 License.

اسلام اور مغرب: فوبیا کی سیاست

Islam and West: The Politics of Phobia

Dr. Zuha Qaisar
Visiting Faculty Member BZU, Multan, Postdoctoral Fellow IR
Email: zuhaqaisarbzu@gmail.com

Dr. Waleed Khan
Lecturer GC Women University Sialkot
Email: waleed.khan@gcwus.edu.pk

Dr. Abdul Haseeb
Punjab Tianjin University of Technology Lahore
Email: dr.haseeb@ptut.edu.pk

Abstract

Islamophobia has emerged as a major problem in modern times. The colonial mentality of Western politics has fostered hatred and fear against Islam and Muslims, due to which the Muslim identity has been tarnished and the notion has arisen that Islam and Muslims are a threat to world peace. At the same time, the notion that Islam as a religion is a threat to other nations has also become common, although the causes of this problem are purely political. Addressing this issue is critical for the Muslim world, and for this it is necessary to first understand the intellectual and political foundations of Islamophobia. The article under review discusses the Western political foundations of Islamophobia.

Keywords: islamophobia, western politics, religion, muslims

موضوع کا تعارف

اسلاموفوبیا عصر حاضر میں ایک بڑا مسئلہ بن کر سامنے آیا ہے۔ مغربی سیاست کی استعماری ذہنیت نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت اور خوف کو پروان چڑھایا ہے جس کی وجہ سے مسلم تشخص داغدار ہو گیا ہے اور یہ تصور اُبھرا ہے کہ اسلام اور مسلمان دنیا کے امن کے لیے خطرہ ہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ تصور بھی عام ہوا ہے کہ اسلام بطور مذہب کے ہی دیگر اقوام کے لیے خطرہ ہے، حالانکہ اس مسئلے کے اسباب خالص سیاسی ہیں۔ اس مسئلے سے نمٹنا مسلم دنیا کے لیے نہایت ضروری ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اسلاموفوبیا کی فکری و سیاسی بنیادوں کو سمجھا جائے۔ زیر نظر مقالے میں اسلاموفوبیا کی مغربی سیاسی بنیادوں پر گفتگو کی گئی ہے۔

فوبیا کا لغوی معنی

فوبیا کا لغوی معنی بے جا خوف اور نفرت ہے، انگریزی میں Xenophobia (دوسرے ملک کے لوگوں سے نفرت / خوف) Anti-Semitism (یہودیوں کے خلاف نفرت / خوف) جیسے الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں، مجموعی اعتبار سے ان تمام اصطلاحات میں عدم رواداری اور نسل پرستی کا مفہوم پایا جاتا ہے[1]۔

یہ اصطلاح دو لفظوں سے مل کر بنی ہے، یعنی اسلام اور فوبیا، ان دونوں لفظوں کے بیچ میں انگریزی زبان کا "O" بھی بڑھایا جاتا ہے تاکہ ان کے درمیان نسبت کا معنی پیدا ہو جائے[2]، اس طرح اسلاموفوبیا کا معنی اسلام سے بے جا خوف، نفرت اور مسلمانوں کے بارے میں منفی ذہنیت رکھنا ہے۔

اسلاموفوبیا کی ابتدا اور ارتقاء

اگرچہ اسلاموفوبیا ایک جدید اصطلاح ہے مگر اس کی بنیادیں کافی قدیم ہیں، بعض اہل علم کی رائے ہے کہ اس اصطلاح کو 1921 میں سب سے پہلے فرانسیسی مستشرق Etienne Diet نے استعمال کیا، اس کے بعد 1991 میں امریکی رسالہ "Insight Magazine" میں یہ اصطلاح استعمال ہوئی، اس اصطلاح کو شہرت اس وقت ملی جب 1991 میں برطانیہ کے ایک مشہور ادارہ Runnymede Trust نے اسلاموفوبیا کے موضوع پر ایک تفصیلی رپورٹ "Islamophobia: A Challenge for all us" کے عنوان سے شائع کی[3]۔ جنوری 2001 میں Stock Holm International Forum نے Xenophobia اور Anti-Semitism کی طرح اس لفظ کو بھی نسل پرستی اور عدم رواداری کے دائرہ میں شامل کر لیا گیا۔ 11 ستمبر 2001 کے حادثہ کے بعد اسلاموفوبیا کا لفظ کثرت سے استعمال ہونے لگا، یہاں تک کہ 2004 میں اقوام متحدہ نے اسلاموفوبیا پر قابو پانے کے لیے ایک کانفرنس منعقد کی اور اقوام متحدہ کے سکریٹری جناب کوفی عنان نے اسلاموفوبیا کو افسوس ناک، تکلیف دہ اور امتیاز پر مبنی رجحان قرار دیا، کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ اسلاموفوبیا مغربی ملکوں میں ہمیشہ رہا ہے[4]، البتہ پچھلے دو عشروں سے اس رجحان میں شدت اور تیزی پیدا ہو گئی ہے۔ اس رائے کی تائید میں Humphriies, Pater اور Naik لکھتے ہیں:

"Islamophobia has always been present in Western countries and cultures. In the last two decades, it has become accentuated, explicit, and extreme."[5]

اس کے برخلاف ماہر سماجیات پروفیسر Vertovec کی رائے ہے کہ اس رجحان میں تیزی نہیں آئی ہے، بلکہ عوامی زندگی میں اس کو دریافت کرنے کا صرف مزاج پیدا ہوا ہے۔

"Islamophobia has not necessarily escalated in the past decades, but that there has been increased public scrutiny of it."6

اسلاموفوبیا کی تعریف

Runnymede Trust کی رپورٹ میں اسلاموفوبیا کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

"An outlook or world-view involving an unfounded dread and dislike of Muslims, which results in practices of exclusion and discrimination."[7]

(ایک نظریہ یہ عالمی رائے جو بے بنیاد خوف اور نفرت پر مبنی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر معاملہ میں مسلمانوں کے ساتھ امتیاز اور بے گانگی برتی جاتی ہے)۔

امریکی مصنف Stephen Schwartz نے اسلاموفوبیا کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"The condemnation of the entirety of Islam and its history as extremist; denying the existence of a moderate Muslims majority; regarding Islam as a problem for the world; treating conflicts involving Muslims as necessarily their own fault; insisting that Muslims make changes to their religion; and inciting war against Islam as a whole."[8]

(اسلام کی ہر چیز کی مذمت کرنا، اس کی تاریخ کو پر تشدد قرار دینا، مسلمانوں میں اعتدال پسند اکثریت کی نفی کرنا، اسلام کو پوری دنیا کے لیے مسئلہ بنا کر پیش کرنا، مسلمان دنیا میں جہاں بھی معرکہ آراء ہیں، اس بارے میں ان ہی کو قصوروار سمجھنا، مسلمانوں کو ان کے مذہب میں تبدیلی لانے پر اصرار کرنا اور ان کے خلاف محاذ جنگ شروع کرنا)۔

"اسلاموفوبیا کی اصطلاح، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مغربی دنیا میں پائی جانے والی نفرت، بے زاری اور امتیاز کو پوری گہرائی اور وسعت کے ساتھ ادا کرنے سے قاصر ہے، اس لیے اس سے بہتر تعبیر Anti-Islamic racism ہے، کیوں کہ اس میں مذہب اسلام سے بیزاری، نفرت اور امتیاز کا شدید عنصر پایا جاتا ہے"[9]۔

مغربی سیاست وسماج میں اسلام فوبیا کے اسباب

الف-اسلام کے بارے میں غلط فہمی:

اسلاموفوبیا کا اصل سبب یہ ہے کہ مغربی قومیں اسلام کے بارے میں کھلا ذہن نہیں رکھتی ہیں، ان کے غلط طرز فکر کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ ان کے سامنے اسلام کی تفہیم بہت مشکل ہے۔ مثلاً وہ اسلام کو مغرب کے مقابلہ میں مختلف سمجھنے کے بجائے اس کو مغرب سے کمتر سمجھتی ہیں۔ اسلام کو متنوع اور ترقی پسند مذہب سمجھنے کے بجائے اس کو منجمد اور ترقی کا دشمن مانتی ہیں، اسلام ان کی نظر میں حلیف ہونے کے بجائے حزب مخالف ہے، اس لئے یہ قومیں

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت اور امتیاز کو نو صرف درست خیال کرتی ہیں بلکہ اس کی پزیرائی بھی کرتی ہیں، ”افسوس کی بات یہ ہے کہ جو لوگ مغرب میں امتیاز و نسل پرستی کے خلاف آواز اٹھانے والے ہیں، ان کی نظر میں بھی اسلاموفوبیا کوئی بری بات نہیں ہے، صورتحال یہ ہے کہ یورپ اور مغربی دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کی ایسی تصویر بٹھادی گئی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اسلام اور مسلمان ان کی قومیت اور تہذیب کے بالکل برعکس ہیں، لہذا ان سے مفاہمت اور ہم آہنگی ممکن نہیں ہے“[10]۔

ب- مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی

یہ ایک حقیقت ہے کہ پچھلے عرصہ میں یورپ، امریکہ، برطانیہ وغیرہ میں مسلمانوں کی آبادی تیزی سے بڑھی ہے، چنانچہ فرانس میں مسلمانوں کی آبادی 5 ملین ہو گئی ہے، جرمنی میں مسلمانوں کی آبادی 4 ملین سے متجاوز ہے اور اس بات کا اندیشہ ہے کہ اگر ترکی یورپ میں شامل ہو گیا تو یورپ میں مسلمان اکثریت میں آجائیں گے، امریکہ میں بھی مسلمانوں کی آبادی 5 ملین ہو چکی ہے اور پھر اس تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے، اسی وجہ سے مغربی قومیں مسلمانوں سے خوف زدہ ہیں، حکومتیں اس کے تدارک کے لیے اقدامات کر رہی ہیں۔ مگر ماہر سماجیات پروفیسر Steven Vertovec کا کہنا ہے کہ حکومتی اقدامات سے مسلمانوں کو عوامی زندگی میں نمایاں مقام تو ضرور ملے گا مگر اس سے اسلام فوبیا کا ازالہ نہیں ہو سکے گا، کیونکہ مسلم مخالف افراد اور تنظیموں کے منفی جذبات اس سے اور بڑھیں گے:

“As the public sphere shifts to provide a more prominent place for Muslims, Islam phobic tendencies may amplify.”[11]

ج- میڈیا کا منفی کردار

اسلاموفوبیا کو فروغ دینے میں میڈیا سب سے زیادہ پیش پیش رہا ہے، اس بات کا اعتراف الیزبتھ پال نے انسائکلوپیڈیا آف ریس اور ایتھنک اسٹڈیز میں کیا ہے، مثال کے طور پر 1994 سے لے کر 2004 تک برطانوی پریس میں شائع ہونے والے مضامین کا جائزہ لیا گیا تو معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے نقطہ نظر کی نمائندگی بہت کم ہوئی ہے اور اگر کچھ ہوئی بھی تو وہ منفی نقطہ نظر سے۔ جواد اور بین لکھتے ہیں:

“Hostility towards Islam and Muslim are closely linked to media portrayals of Islam as barbaric, irrational, primitive and sexist.”[12]

اسلاموفوبیا مغرب میں ثقافتی جنگ کا آلہ کار

ایک ثقافتی اور نسل پرستانہ دلیل جو اسلام کے معاشرتی رسوم و رواج کے خلاف وسیع پیمانے پر استعمال کی جاتی ہے وہاں عورتوں کا جنسی استحصال اور انہیں دبا کر رکھنے کا الزام ہے۔ ایک جابر اسلام اور جابرانہ معاشرتی نظام کے سبب مسلمان عورتوں پر ستم رانی کا موضوع مغرب میں بہت عام ہے اور اس نام نہاد مفروضے کو حقیقت سمجھا جاتا ہے، اسی خیال کے تحت مسلمانوں کو کم تر درجہ کا سمجھا جاتاہ۔ مغرب کے لوگ سمجھتے ہیں کہ مذہبی، ثقافتی اور حکمرانی کا جابرانہ نظام مسلمانوں کی غیر مذہب اور پر تشدد اقدار کے باعث ہے جس کے تحت عورتوں پر جبر کرتے ہیں، اس قسم کی باتیں اس لیے پھیلائی جاتیں ہیں تاکہ عالم اسلام کے مذہبی، ثقافتی و سیاسی امور میں مغرب کو مداخلت کے مواقع حاصل ہوں۔ بش نے افغانستان پر حملہ کرنے کے لیے جو دلائل استعمال کئے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ افغانی خواتین کو افغانی مردوں سے آزاد کرایا جائے، گوری اقوام کی جانب سے رنگدار نسل کی عورتوں کو ان کے مردوں کی نظر سے آزاد کرانے کے نعروں کی تاریخ استعماری دور میں دیکھی جاسکتی ہے، اسی کے پیچھے شمال مغرب پر سامراجی قبضہ کے اصل عزائم کو چھپانا تھا۔[13] یہ ایک معروف حقیقت ہے کہ بش نے افغانستان پر جو حملہ کیا وہ افغانستان کی سیاسی و جغرافیائی پوزیشن اور اس کی اہمیت نیز جنوبی ایشیا میں تیل اور گیس کے ذخائر سے اس کی قربت ہے، اس خطہ کی عورتوں کو مردوں کے جبر سے آزاد کرانے کے نعرے اصل حقیقت نہیں ہیں، نہ طالبان کو شکست دینا اصل مقصد ہے۔

مغربی میڈیا میں اسلاموفوبیا مسلمانوں کو وحشی ثابت کرنے کے لیے اور مغربی تہذیب کو ان کا مسیحا ثابت کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جبکہ یہ مغرب کے اقتصادی، سیاسی و جغرافیائی عزائم کو چھپانے کا ایک بہانہ ہے، بش نے "اسلامی دشمن" کا خوف پھیلا کر عیسائی بنیاد پرستی کی حمایت کی یہ گویا صلیبی جنگ کا ہی ایک حصہ ہے، سرد جنگ کے خاتمہ کے بعد ایک بار پھر اسلام اور مسلمانوں کو صلیبی لڑائیوں اور سامراجی غلبہ کے دوران جس طرح مطعون کیا جاتا تھا اس عمل کو دہرانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

متعدد مغربی ملکوں میں دستور میں مسلمانوں کے سیاسی دستوری اور تہذیبی حقوق کو تسلیم کیا گیا ہے، ازروئے انصاف ملنے والے حقوق جبکہ ازروئے حقیقت انہیں جو کچھ ملتا ہے اس میں بڑا فرق اور تضاد ہے، مقامی افسران اکثر انتہاپسند کردیوں سے مل جاتے ہیں اور دستور کے تحت مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کو دیئے گئے حقوق کی پامالی میں معاون ہوتے ہیں اس کی ایک مثال نئی مسجدوں کی تعمیر کی عوامی مخالفت ہے، اور حکام اقلیتوں کو ان کے دستوری حقوق کی ضمانت دینے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہیں اور عوام کا ساتھ دیتے ہیں، اٹلی، جرمنی اور اسپین میں

نئی مساجد کی تعمیر کے خلاف احتجاج بہت پھیلا ہوا ہے، اگر مقامی حکام نئی مسجدوں کی تعمیر کی اجازت بھی دیتے ہیں تو وہ شہر سے دور ایسے علاقوں میں ہوتا ہے جو عموماً انتہا پسندوں کی نظروں سے اوجھل رہتی ہیں، اس صورتحال کے پیش نظر مسلمانوں کے لئے اس کے سوا چارہ کار نہیں کہ وہ پرائیویٹ ہال، موٹر گیراج، دفتروں یہ مکانات میں ہی نماز ادا کریں، اسلامی سنٹروں کی تعمیر کے لیے بھی مقامی حکام اسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہیں، اسی طرح حلال خوراک کی فراہمی، اسکولوں میں سر ڈھکنے کے معاملہ میں ایسا ہی انداز اختیار کیا جاتا ہے[14]۔

مغرب میں تارکین وطن کا مسئلہ ، تنازع اور احتجاج کا موضوع بنا ہوا ہے، اکثر اس پر نسل پرستی اور غیر لوگوں سے اجتناب کے اثرات بھی نمایاں ہوتے ہیں، تارکین وطن کے مسئلہ پر سیاسی مہم جوئی بھی ہوتی ہے اور اکثر اس سے سیاسی صف آرائی کا ماحول بھی پیدا ہو جاتا ہے، انتہا پسند سیاسی پارٹیاں لوگوں میں خوف کا ماحول پیدا کرتی ہیں، مہاجروں کی دوسری اور تیسری نسل کے افراد کو بھی جو مغربی ممالک میں ہی پیدا ہوئے اور پروان چڑھے انہیں بھی غیر ملکی قرار دیا جاتا ہے، الیکشن میں مہاجرین / تارکین وطن کا مسئلہ زور شور سے اٹھایا جاتا ہے اور حکومت کو ان مہاجرین کے خلاف اقدامات کرنے ہوتے ہیں اس خوف سے کہ کہیں الیکشن میں وہ انتہا پسند سیاسی جماعتوں سے ہار نہ جائیں۔[15]

مغربی سیاست میں اسلاموفوبیا کا تدارک کی کوششیں

اسلاموفوبیا کے تدارک کے لیے Runnymede Trust نے 60 سفارشات پیش کی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو میڈیا اور سیاست میں اپنا اشتراک بڑھانا چاہیے، چنانچہ اس رپورٹ کے بعد ہی برطانیہ میں مسلمانوں نے ایک ادارہ "مسلم کونسل آف برطانیہ" کے نام سے قائم کیا تا کہ متحد ہو کر حکومت پر دباؤ ڈالا جائے کہ وہ مسلمانوں کے مسائل پر سنجیدگی سے غور کریں اور انہوں نے میڈیا کے اداروں سے بھی ربط وضبط بڑھایا تا کہ ذرائع ابلاغ میں اپنی بہتر نمائندگی کر سکیں، ظاہر ہے کہ صرف سیاست اور صحافت کے میدان میں کوشش کرنے سے مسائل حل نہیں ہو سکیں گے بلکہ ہزاروں ایسے میدان ہیں جہاں اسلاموفوبیا سے معاملہ درپیش ہے تا کہ مسلمانوں کو معاشی وسیاسی اور عوامی زندگی میں یکتا و تنہا کرنے کی جو کوشش ہو رہی ہے اس کا کامیاب مقابلہ کیا جا سکے[16]۔

اسلامو فوبیا کے خلاف کئی شخصیتیں اور ادارے سرگرم ہیں مثلاً آرگنائزیشن آف اسلامک کانفرنس (امریکہ) جس نے اس رجحان کے لیے دستاویزات تیار کیے ہیں، فرانسیسی مسلمانوں نے دستخطی مہم شروع کی اور پچاس ہزار لوگوں کے دستخط سابق صدر فرانس جیاک چراک کو ایک پٹیشن پیش کیا اور ان سے مطالبہ کیا کہ اسلاموفوبیا کو نسل پرستی کی طرح قابل جرم قرار دیا جائے، کئی برطانوی تنظیموں نے اسلاموفوبیا کے نام پر سیمینار

منعقد کئے تا کہ اس رجحان پر قابو پایا جاسکے، ان کے علاوہ کئی تنظیمیں اور ادارے اس میدان میں متحرک ہیں مثلاً "اسلاموفوبیاواچ" جس کا آغاز جنوری 2005ء میں ہوا، اس کا مقصد یہ ہے کہ اسلاموفوبیا جو مغربی استعمار کی نئی شکل ہے، اس پر قابو پایا جاسکے، خاص بات یہ ہے کہ اس ویب سائٹ کو دیگر مسلم افراد نے قائم کیا ہے، اسی طرح Islamphobia.org اور Islamicawareness.net جیسی ویب سائٹس اس میدان میں کام کر رہی ہیں[17]۔

مذہبی تعلیمات سے اسلاموفوبیا کا تدارک

تمام الہامی مذاہب کی حقیقی تعلیمات انسانوں کو مل جل کر رہنے کی ہدایت دیتی ہیں۔ مذہب صرف الفاظ کا نام نہیں کہ مان لینے سے ہی انسان مذہبی بن جاتا ہے۔ بلکہ یہ تو عمل کا نام ہے مذہب انسان کے کردار و عمل سے ظاہر ہوتا ہے۔ انسان کو یہ بتانے والا کہ فلاں چیز اچھی ہے فلاں چیز بری ہے، صرف مذہب ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب نے اخلاقیات کا درس دیا ہے اور انسانوں کے مابین باہمی معاشرت و معاملات پر اصول فراہم کیے ہیں۔ جن کے ہوتے ہوئے کوئی بھی انسان مذہب کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتا۔ آج کے دور میں انسانیت کی تذلیل کا سبب بھی مذہب سے دوری ہے۔ صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ تمام مذاہب کے ماننے والوں کو اپنی زندگیوں سے دور کر دیا ہے۔ انہوں نے مذہب کو صرف چند رسموں تک محدود کر دیا ہے۔ آج بھی اگر تمام انسان اپنے اپنے مذہب کی تعلیمات کو اپنی زندگی کا حصہ بنالیں تو دنیا میں امن و سکون لوٹ سکتا ہے۔ الہامی تعلیمات اور جامع نظام حیات کے حوالے سے دین اسلام تو تمام مذاہب پر فوقیت رکھتا ہے۔ اس نے بنی نوع انسان کو زندگی کے ہر گوشے سے متعلق راہنمائی فراہم کی ہے۔ اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمانوں کو دین اسلام کی اہمیت یاد دلائی جائے۔ اور انہیں یہ باور کروایا جائے کہ وہ مذہب کو اپنی زندگیوں کا حصہ بنالیں، کیونکہ مذہب صرف عبادات کا نام نہیں بلکہ مذہب عبادات اور اخلاقیات اور معاملات کا مجموعہ ہے[18]۔

مذہبی تعلیمات یہ درس دیتی ہیں کہ انسان فطرتاً مذہبی پیدا کیا گیا ہے اور ہر انسان کی فطرت میں خالق کائنات کا اعتراف داخل ہے۔ البتہ انسان کی اس فطرت کو بعض دفعہ شیاطین جن و انس، غفلت، معاشرتی ماحول اور بسا اوقات اس کے والدین و رشتے دار بھی بدل لیتے ہیں۔ اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ بنی نوع انسان ہر دور میں کسی نہ کسی مذہب کی پیروی کرتے رہے ہیں لیکن ان تمام مذاہب کی تعلیمات میں کسی نہ کسی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ دنیا کے تمام مذاہب قتل، چوری، فحاشی اور لڑائی جھگڑے کو سختی سے ممنوع قرار دیتے ہیں اور تمام قسم کی اچھائیوں کو اپنانے کی تلقین کرتے ہیں۔ انسان بنیادی طور پر اشرف المخلوقات اسی لیے قرار دیا گیا ہے کہ یہ اپنے اندر اخلاقی پہلو رکھتا ہے۔ اس کا اخلاقی قدروں پر مبنی وجود ہی کسی بھی معاشرے کے قیام کی بنیاد بنتا ہے۔ "باہمی

حقوق اور احساس ذمہ داری کا احساس ہی خاندان، قبیلے اور معاشرے کے مضبوط تعلقات کا سبب بنتا ہے۔ صرف مذہب ہی ایسی چیز ہے جو اس دنیا میں انسان کو زندگی گزارنے کے اصول وضوابط فراہم کرتا ہے۔ مذہب انسان میں احساس ذمہ داری کا شعور پیدا کرتا ہے۔ اسے اپنے فرائض اور واجبات یاد دلاتا ہے جو اس کے اور اس کے پیدا کرنے والے کے درمیان تعلقات کی بنیاد ڈالتے ہیں۔ جب انسان کسی مذہب کی تعلیمات کی پیروی کرنا شروع کرتا ہے۔ تو اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے کہ وہ اس دنیا میں کیوں آیا ہے۔ اسے خدا نے کیوں پیدا کیا پھر جب وہ اپنے مذہب سے اس بات کا جواب حاصل کر لیتا ہے"[19]۔ تو اسی تگ و دو میں مصروف ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے مذہب کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کی کوشش کرے۔ اس طرح انسان جب اپنے مذہب کی اچھی باتوں کو اپناتا ہے، تو وہ ایک صحت مند معاشرہ کے قیام کے لیے مفید ثابت ہوتا ہے۔

مذاہب کی آفاقی تعلیمات سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ تمام انسان برابر ہیں خواہ ان کا تعلق کسی بھی خطے، رنگ نسل اور قوم سے ہو۔ وہ تخلیق کے لحاظ سے برابر درجہ کے حامل ہیں۔ ان کے درمیان کوئی تفاوت و تفریق نہیں ہے۔ ان میں سے کوئی برتر یا کمتر نہیں ہے۔ وہ سب اللہ کے بندے ہیں اور یہی ان کا سب سے بڑا اعزاز ہے۔ البتہ یہ اور بات ہے کہ کوئی اللہ کی وحدانیت پر ایمان لے آئے اور اللہ کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے پر زندگی بسر کر کے اللہ کے پسندیدہ بندوں میں شامل ہو جائے۔[20]

اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہونے کے باوجود قوموں اور قبیلوں میں تقسیم ہو جانا ایک فطری امر تھا۔ ظاہر ہے کہ پوری روئے زمین پر سارے انسانوں کا ایک ہی خاندان تو نہیں ہو سکتا تھا، نسل بڑھنے کے ساتھ ناگزیر تھا کہ بیشمار خاندان بنیں اور خاندانوں سے قبائل اور اقوام وجود میں آجائیں۔ اسی طرح زمین کے مختلف خطوں میں آباد ہو نے کے بعد رنگ، خدوخال، زبانیں اور طرز بود و ماند بھی لامحالہ مختلف ہی ہو جاتے تھے، اور ایک خطے کے رہنے والوں کو باہم قریب تر اور دور دراز خطوں کے رہنے والوں کو بعید تر ہی ہونا تھا۔ مگر اس فطری فرق و اختلاف کا تقاضا یہ ہرگز نہ تھا کہ اس کی بنیاد پر اونچ نیچ، شریف اور کمین، برتر اور کمتر کے امتیازات قائم کیے جائیں، ایک نسل دوسری نسل پر اپنی فضیلت جتائے، ایک رنگ کے لوگ دوسرے رنگ کے لوگوں کو ذلیل و حقیر جانیں، ایک قوم دوسری قوم پر اپنا تفوق جمائے، اور انسانی حقوق میں ایک ایک گروہ کو دوسرے گروہ پر ترجیح حاصل ہو۔[21] خالق نے جس وجہ سے انسانی گروہوں کو اقوام اور قبائل کی شکل میں مرتب کیا تھا وہ صرف یہ تھی کہ ان کے درمیان باہمی تعارف اور تعاون کی فطری صورت یہی تھی۔ اسی طریقے سے ایک خاندان، ایک برادری، ایک قبیلے اور ایک قوم کے لوگ مل کر مشترک بنا سکتے تھے اور زندگی کے معاملات میں ایک دوسرے کے مددگار بن سکتے تھے۔ مگو یہ محض شیطانی

جہالت تھی کہ جس چیز کو اللہ کی بنائی ہوئی فطرت نے تعارف کا ذریعہ بنایا تھا اسے تفاخر اور تنافر کا ذریعہ بنالیا گیا اور پھر نوبت ظلم و عدوان تک پہنچادی گئی[22]۔

انسان اور انسان کے درمیان فضیلت اور برتری کی بنیاد اگر کوئی ہے اور ہو سکتی ہے تو وہ صرف اخلاقی فضیلت ہے۔ پیدائش کے اعتبار سے تمام انسان یکساں ہیں، کیونکہ ان کا پیدا کرنے والا ایک ہے، ان کا مادہ پیدائش اور طریق پیدائش ایک ہی ہے، اور ان سب کا نسب ایک ہی ماں باپ تک پہنچتا ہے۔ علاوہ بریں کسی شخص کا کسی خاص ملک قوم یا برادری میں پیدا ہونا ایک اتفاقی امر ہے جس میں اس کے اپنے ارادہ و انتخاب اور اس کی اپنی سعی و کوشش کا کوئی دخل نہیں ہے کوئی معقول وجہ نہیں کہ اس لحاظ سے کسی کو کسی پر فضیلت حاصل ہو۔ اصل چیز جس کی بنا پر ایک شخص کو دوسرے پر فضیلت حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ دوسروں سے بڑھ کر خدا سے ڈرنے والا، برائیوں سے بچنے والا، اور نیکی و پاکیزگی کی راہ پر چلنے والا ہو۔ ایسا آدمی خواہ کسی نسل کسی قوم اور کسی ملک سے تعلق رکھتا ہو، اپنی ذاتی خوبی کی بنا پر قابل قدر ہے۔ اور جس کا حال اس کے برعکس ہو وہ بہر حال ایک کمتر درجے کا انسان ہے چاہے وہ کالا ہو یہ گورا، مشرق میں پیدا ہوا ہو یا مغرب میں۔[23]

مذاہب کی حقیقی تعلیمات منافرت اور تعصب سے آزادی کی دعوت دیتی ہیں۔ ان تعلیمات کو رہنما بنا کر سماجی سطح پر ایک پر امن معاشرے کی تشکیل کی جاسکتی ہے۔ اسلاموفوبیا مذہبی تعلیمات کی وجہ سے نہیں بلکہ مغربی سیاست کی وجہ سے پھیلا ہے اور اس کے تدارک کے لیے مذہبی تعلیمات کا سہارا لیا جاسکتا ہے۔ مسلمان مغربی سماج میں یہ آگہی دیں کہ ان کا دین اور ان کی ثقافت امن کا درس دیتے ہیں اور یہ کہ یہ کہ دینی و سماجی اختلافات کو منافرت بھڑکانے کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔

خلاصہ تحقیق

اسلاموفوبیا معاصر مغربی سیاست کی پیداوار ہے اور اس کی سبب دینی اختلافات نہیں ہیں۔ بالخصوص نائن الیون کے بعد کی دنیا میں مغربی سیاسی رہنماؤں نے تمام ذرائع کا استعمال کرکے اسلام اور مسلمانوں کے تشخص کو داغدار بنانے کی کوشش کی ہے۔ اس میں اگرچہ کچھ معاشی اسباب بھی شامل ہیں کہ پچھلے کچھ سالوں سے مسلمان ممالک سے بڑی تعداد مغرب کی جانب ہجرت کر رہی ہے تو اس سے وہاں کے مقامی لوگوں میں روزگار کے حوالے سے عدم تحفظ کا احساس بڑھا ہے لیکن یہ ایک ثانوی اور کمزور سبب ہے، اصل مسائل مغربی سیاست کی استعماری سوچ کے پیدا کردہ ہیں۔ اسلاموفوبیا کے تدارک کے لیے مسلمان ممالک کو مذہبی تعلیمات عام کرنے کی ضرورت ہے اور

مغربی سماج کو یہ احساس دلانے کی کہ اسلامی کی تعلیمات امن کا درس دیتی ہیں اور مسلم ثقافت دنیا کے لیے خطرہ نہیں ہے جیسا کہ مشہور کیا گیا ہے۔

حوالہ جات

[1]Daniel Bell, The End of History, mtarjam Ammar Hussain,New York Free Press,1970 page 120
[2]Daniel Bell, The End of History, mtarjam Ammar Hussain page 120

[3] https://www.runnymedetrust.org/publications/islamophobia-a-challenge-for-us-all
[4]https://news.un.org/en/story/2004/12/122952
The 3 R,s in social work – Religion, Race, Racism(London, Oxford Press,2015) P.197-198 [5]
[6]Vertovic, Islamophobia and Muslim recognition in Britain (New York, Oshiro Press, 2010) P32-33
[7]Encyclopedia of Race and Ethics (London Books, 2004) P-215
[8]Stephen Schwartz Front page Magazine- April 2005
[9]Zainab Abd al-Aziz, Hadam al-Tirmidhom (Damasc, Maktaba al-Farabi, 2007) page 35
[10]Zainab Abd al-Aziz, Hadam al-Tirmidhom, page 36
[11]Islamophobia and Muslim Recognition in Britain PP 32-33
[12]Benn, Jawad,https://files.eric.ed.gov/fulltext/ED596747.pdf
[13]Muhammad al-Ajlooni, Kashf al-Khafa (Beirut, Dar al-Nahda, 2005) page:165
[14]Muez al-Khatib, Al-Ghadb al-Islami (Beirut, Dar al-Fikr, 2017) 21
[15]Muez al-Khatib, Al-Ghadb al-Islami (Beirut, Dar al-Fikr, 2017) 22
[16]Qasim Abdah, Mahiyat al-Harub (Beirut, Al-Dar al-Shamiya, 2011) 47
[17]Fighting Islamophobia: A response to critics-2006
[18]Abd al-Karim Bakar, Asrna wal-Aish wazmanah al-Shabari (Beirut, Maktaba Nama, 2013) 88
[19]Qasim Abdukh al-Thadid al-Islami (Beirut, Dar al-Fikr, 2020) 102
[20]Qasim Abdukh al-Thadid al-Islami Page,103
[21]Al Ghadb, al-Islami,Page 44
[22]Al Ghadb, al-Islami, Page.70
[23]Syed Maududi, Tafheem ul Quran (Lahore, idara tarjama tul Quran, 2005) 5/79